داخلی دشمن، خارجی دشمن سے زیادہ خطرناک

عموماً انسان کی یہ عادت اور خصلت رہی ہے کہ وہ اپنے دشمن کو اپنے وجود سے باہر کی دنیا میں تلاش کرتا ہے اور اسے اپنے اندرون میں موجود اور اپنے سر پر سوار رہنے والا خطرناک دشمن نظر نہیں آتا، یقیناً شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ. (بقرہ/۱۶۸)

(اے ایمان والو! اسلام میں سارے کے سارے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُبِينٌ. (یوسف/۵)

(شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے)۔

چونکہ شیطان غیر مرئی مخلوق ہے، اس لیے حقیقتاً اس کا کوئی ظاہری اور محسوس وجود نہیں ہے، بلکہ وہ تو اس قدر لطیف ہے کہ انسان کے خون میں دوڑتا ہے اور اس کے ہر طرح کے برے اعمال کو بنا سنوار کر اس کے سامنے پیش کرتا ہے، اور کفر وشرک اور آداب انسانی کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر آمادہ کرتا ہے، جب بے چارہ انسان اس کے حکم کا اتباع کرلیتا ہے اور گناہوں ومنکرات میں گرفتار ہوجاتا ہے تو وہی شیطان انسان سے دستبردار ہوجاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تم سے بری الذمہ ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، ارشاد باری ہے:

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ. (حشر/۱۶)

(شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کہ کفر کر، جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا میں تو تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں)۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

شیطان تو انسان کے رگ وریشہ میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ (بخاری ۲۵/۳۵)

کچھ ایسا ہی معاملہ ابلیس کا انسان کے ساتھ ہے جو اسے نافرمانیوں پر ابھارتا ہے، مال وزر اور جاہ ومنصب کا لالچ دلاتا ہے، پھر انہیں جادۂ حق سے پھسلا دیتا ہے اور جب وہ اس کی وسوسہ کاریوں اور پرفریب وعدوں پر اعتماد کر بیٹھتا ہے تو اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔ یہی چیز اس میں صبر وثبات، ایمان ویقین اور صراط مستقیم اختیار کرنے کے خلاف شدید ردعمل پیدا کردیتی ہے، ایسے موقع پر وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ جانوروں جیسی عادتوں کو اختیار کرلے، چنانچہ وہ جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے، شیطانوں کی مانند خوشی سے اتراتا پھرتا ہے اور ان کفار ومشرکین کی طرح گدلے پانی میں اللہ کے بندوں کا شکار کرتا ہے، جنھوں نے ان پر زمین کو تنگ کر دیا تھا اور انسانی قدروں کو یکسر فراموش کرکے، ہر طرح کے کذب وافترا کے تیروں سے ان کو نشانہ بنایا تھا، یہاں تک کہ ان کا انجام بہت برا ہوا اور ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول منطبق ہوتا ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔ (اعراف/۱۷۹)

(ان کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے، اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے، اور ان کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں)۔

بنی نوع انسان کی اس جماعت پر، جو تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے، ساتویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم اور عارف باللہ شیخ جلال الدین رومی کا یہ مقولہ صادق آتا ہے انہوں نے پستی میں جاگرے انسان کے تعلق سے فرمایا تھا:

”وہ انسانوں کی سی شکل وشباہت رکھنے والے ہیں، وہ انسان نہیں، بلکہ نفس کے غلام اور شہوتوں کے پجاری ہیں، وہ شکم سیری، سیرابی اور شہوت جیسی بہیمانہ خصلت کے رسیا ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر روٹی کی حکمرانی چلتی ہے اور شہوتوں نے ان کے ضمیر کو مردہ کر دیا ہے۔“

مولانا رومی نے اپنے دیوان میں اسی تعلق سے ایک لطیف واقعہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”گذشتہ رات میں نے ایک عمر دراز شخص کو مشعل لیے شہر کا چکر لگاتے ہوئے دیکھا، جیسے اسے کسی چیز کی تلاش ہو، میں نے دریافت کیا: جناب والا! آپ کیا ڈھونڈ

رہے ہیں؟ اس نے کہا: میں درندوں اور چوپایوں کی زندگی سے اکتا گیا ہوں اور بالکل تنگ آچکا ہوں، میں ایک عظیم انسان اور جری ودلیر شیر کی تلاش میں نکلا ہوں، میرا دل ان کاہلوں اور بونوں سے تنگ آ گیا ہے، جنہیں میں اپنے اردگرد پاتا ہوں، میں نے کہا: جس کو آپ تلاش کررہے ہیں اسے پانا مشکل ہے، کیونکہ میں نے خود اسے ایک عرصہ تک تلاش کیا، لیکن کامیاب نہ ہوسکا، اس نے کہا: میں ایسی ہی چیز کے تلاش کرنے کا شیدائی ہوں جو آسانی سے حاصل نہ ہوتی ہو۔''

اس واقعہ سے اگر ساتویں صدی ہجری کی انسانی صورتحال کی تصویرکشی ہوتی ہے تو پندرہویں صدی ہجری کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، جبکہ انسان نے اخلاقی قدروں کو فراموش کر دیا ہے اور شیطان اپنی تمام تر فریب کاریوں کے ساتھ اس کے دل ودماغ پر چھا گیا ہے، اور خیر وبھلائی، اطاعت وفرمانبرداری اور انسان شناسی کے ان تمام راستوں کو بند کر دیا ہے، جن سے اسلام نے ہم کو روشناس کرایا اور ہمیں فکری آلودگیوں اور اخلاقی بیماریوں سے نکالا، اورہمیں ان لوگوں کی صف میں لا کھڑا کیا، جنہوں نے ایمان وعقیدہ اور اطاعت وفرمانبرداری کی ایک عمدہ مثال قائم کی، اور عالم انسانیت کو زندگی کے انسانی طریقہ سے نوازا اور ان کو احترام نفس، سعادت انسانیت اور اس عظیم الشان امانت کے اعلیٰ مقاصد کی ایک نئی دنیا تشکیل دینے کی توفیق ملی، جس کو اللہ نے آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا، لیکن انہوں نے اس کی عظمت کی وجہ سے یہ ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا اور معذرت پیش کردی، انسان ہی اس امانت کو اٹھانے کا زیادہ سزا وار تھا، لہٰذا اس نے اللہ تعالیٰ کے محض ایک اشارہ پر اس امانت کی ذمہ داری کو اپنے سر لے لیا اور اس کی وجہ سے مستقبل سے غافل اور انجام سے بے خبر رہا، گویا وہ اس ذمہ داری کی عظمت سے ناواقف تھا اور اسے قبول کرکے خود پر ظلم کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً (احزاب /۷۲)

(ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا، لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھالیا وہ بڑا ہی ظالم وجاہل ہے)۔

یہیں سے دوقسم کے انسانوں کی تصویر نظر آتی ہے، ایک شخص وہ ہے جو اپنے اندر کے دشمن کی پرورش کرتا ہے، اسے اچھی غذا فراہم کرتا ہے، توانا و طاقت ور بناتا ہے، اور اسے اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ اس کا دشمن خود اس کے اندر جاگزیں ہے، جہاں سے وہ اس کے تمام اعصاب پر غالب آجاتا ہے، لہٰذا اس سے صادر ہونے والا ہر عمل اسی دشمن کے وسوسہ کا نتیجہ ہوا کرتا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جو جانتا ہے کہ شیطان کو اپنی سرگرمیوں میں بڑی چابکدستی اور مہارت حاصل ہے، وہی بنیادی فرائض اور اسلام کی مقرر کردہ حدود وقیود کی پامالی کے راستہ کو ہموار کرتا ہے، اس کا نتیجہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی، اکرام مسلم سے لاپرواہی، حقوق کی پامالی کی شکل میں نظر آتا ہے اور انسان کو ہر طرح کی برائی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جس سے انسان کا راستہ ایمان وعقیدہ، طاعت وفرمانبرداری اور خیروبھلائی کے مقابلہ میں خواہشات نفس سے زیادہ قریب ہوجاتا ہے، لہٰذا لوگ اس کے شروروفتن سے محفوظ نہیں رہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور حقیقی مہاجر وہ ہے جو منہیات سے گریزاں رہے، اور فرمایا: جو دنیا میں دورخا ہوگا، قیامت میں اس کی آگ کی دوزبانیں ہوں گی، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک لحیم وشحیم آدمی کا آپ ؐ کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے فرمایا کہ یہ انہیں میں ہے، اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے: منافق کی تین علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، مزید ایک چوتھی علامت ہے کہ جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔

مسلمانوں کی زندگی اور معاشرہ کا سرسری طور پر جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ کن برائیوں، بغض وحسد اور دوسروں کے حقوق سے غفلت کی حالت میں زندگی بسر کررہے ہیں، یہ صرف عوام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہمارے اصحاب علم وفضل اور ان جماعتوں کے کارکنان بھی اس کی زد میں ہیں، جو خود کو دعوت وارشاد اور اللہ کے راستہ کا سپاہی تصور کرتے ہیں، اس بیماری کے نتیجہ میں ان کے اندر بہت سے اخلاقی امراض پیدا ہوگئے ہیں، آج مسلمان جس اختلاف وعداوت اور گروہ بندی کا شکار ہیں، وہی بہت ہے، لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ ایمانی اخوت بھی باقی نہیں رہی، ہر شخص ایک دوسرے سے بلاکسی شرعی جواز کے محض بغض وحسد کی بنیاد پر اختلاف کرتا ہے اور یہ اختلاف اتنا شدید ہوتا ہے کہ پہلے تو رنجش اور کشاکشی کا باعث بنتا ہے پھر دونوں کے درمیان ایک گہری خلیج پیدا کردیتا ہے اور یہ تفریق آخری درجہ کو پہونچ جاتی ہے۔

مسلمانوں کے لئے شاہراہ زندگی

مادی زندگی کی لذتوں کے پس منظر میں

اس دنیا کی لذتوں اور رونقوں کا کیا کہنا؟ ہر طرف انسان کی لذت اندوزی اور راحت کوشی کے سامان نظر آتے ہیں، جنہیں سائنس اور صنعت کی بدولت روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے، رہنے کے لیے آرام دہ اور خوش وضع مکانات بنتے چلے جاتے ہیں، پہننے کے لیے رنگ برنگ اور اعلیٰ سے اعلیٰ ملبوسات سے بازار پٹے پڑے ہیں، لذت کام ودہن اور جسمانی قوتوں کے تحفظ کے لیے بہترین ماکولات ومشروبات کے انبار ہیں، صحت وتندرستی حاصل کرنے کے لیے دواؤں کے ذخیرے موجود ہیں، تیز رفتار سواریوں کی وجہ سے زمین کی فضائیں کھنچ گئی ہیں، یہی نہیں، بلکہ اب تو ہوا بھی انسان کی خادمہ بن چکی ہے اور وہ اس کے دوش پر اڑا اڑا پھرتا ہے، غرض یہ کہ جسمانی لذت وراحت اور زندگی کی لطف اندوزیوں کا وافر سامان موجود ہے، اور آدم زاد کی کوشش روز بروز بلکہ ساعت بہ ساعت اس میں اضافہ کرتی جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ اس سامان راحت اور ان اسباب آسائش کو آدمی کس لیے استعمال کرے؟ اس سوال سے بہت لوگ متعجب ہوں گے، وہ کہیں گے کہ ماکولات ومشروبات بھوک کو دور کرنے اور لذت کام ودہن حاصل کرنے کے لیے ہیں، لباس موسمی اثرات سے حفاظت اور زیب وزینت کے لیے، ریل، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ سیر وسیاحت کے مقصد سے وجود میں آئے ہیں، اسی طرح ہر تمدنی چیز انسان کی کوئی نہ کوئی مادی حاجت پوری کرتی ہے یا اس کے لطف زندگی میں اضافہ کرتی ہے، مقاصد بالکل واضح ہیں، ان کے متعلق سوال مذکور کے کیا معنی ہیں؟

میں ان سے کہوں گا کہ ذرا ٹھہرئے، پہلے ہی آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے نزدیک انسانی زندگی کی انتہا موت ہی پر ہوجاتی ہے یا موت کے بعد کوئی دوسری زندگی بھی ہے؟ اور عالم کا مصداق صرف یہ عالم دنیا ہی ہے یا اس کے بعد عالم آخرت کے نام کا بھی کوئی عالم موجود ہے؟ اگر آپ موت کے بعد آنے والی زندگی کے بعد عالم آخرت کے قائل نہیں ہیں تو میں آپ سے سوال مذکور نہ کروں گا، اور بے شک اس کا جواب آپ کے ذمہ نہیں ہے، لیکن اگر آپ زندگی کے بعد موت کے قائل اور عالم آخرت کے معتقد ہیں تو آپ کا اس سوال سے دوچار ہونا یقینی اور فطری ہے، آپ اس سے ہزار منہ پھیریں، مگر وہ آپ کے سامنے آئے گا اور آپ کا قلب آپ سے پوچھے گا کہ دنیا کے ان وسیع وتمدن وسائل اور آسائش کے ان کثیر ذرائع کو جسمانی ومادی خواہشوں کی تسکین کے لیے استعمال کیا جائے یا ان کو اس زندگی کی حاجتیں پوری کرنے اور راحتیں حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے جس کی ابتداء مرنے کے بعد ہوگی اور جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے، مختصر یہ کہ انہیں عالم دنیا کے مادی مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے یا عالم آخرت کے مقاصد وفوائد ان سے حاصل کیے جائیں؟

فکر کی یہی منزل ہے، جہاں انسان کے سامنے ایک دوراہہ آتا ہے، ایک راستہ جہنم اور عذاب آخرت کی طرف جاتا ہے، دوسرا جنت اور آخرت کی کامیابی وکامرانی تک پہونچاتا ہے، ایک ذلت ورسوائی اور حق تعالیٰ کے غضب دائمی میں مبتلا کرنے والا راستہ ہے، دوسرا عزت وسرخروئی، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وخوشنودی کی راہ ہے، ایک کفر وطغیان کا راستہ ہے دوسرا اسلام وایمان کا طریق مستقیم، اس مسئلہ میں مسلم وغیر مسلم میں ایک بنیادی فرق تو علم ویقین کے اعتبار سے ہوتا ہے، نعمت اسلام سے محروم کا علم صرف اس زندگی تک محدود ہوتا ہے، وہ صرف ظاہری زندگی کو دیکھتا ہے، حقیقی زندگی کو نہیں دیکھتا، الحیاۃ الدنیا (پست زندگی) کو جانتا ہے، اعلیٰ زندگی (حیات اخروی) سے بے خبر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس کی اس فکری پستی کو اس طرح بیان فرمایا ہے: ''يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُون '' (سورہ روم)

(یہ لوگ صرف ظاہری پست زندگی کو جانتے ہیں اور آخرت کے بارے میں بے خبر ہیں)۔

اسی بنیادی اختلاف کی وجہ سے دونوں کی اخلاقی وعملی زندگی میں بھی فرق نمایاں ہوتا ہے، آخرت کا منکر اور حیاۃ بعد الموت کا منکر دنیا کے ذرائع اور وسائل کو صرف اپنی مستعار اور ناپائیدار زندگی کی مادی لذتوں اور راحتوں کے لیے کام میں لاتا ہے، وہ موجودہ

زندگی میں لطف اٹھانے ہی کو اپنا مقصد زندگی سمجھتا ہے اور اس کے لیے جدوجہد میں مصروف رہتا ہے، کبھی بھول کر بھی اسے یاد نہیں آتا کہ ان اسباب تنعم اور عیش وراحت کے وسائل کا اس کے مرنے کے بعد اس پر کیا اثر ہوگا؟ بخلاف اس کے جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کی زندگی کا نقشہ بالکل دوسرا ہوتا ہے، حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں اس بارے میں حکم فرمایا ہے کہ:

''وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ'' (جو کچھ تجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، اس کے ذریعہ سے آخرت کی کامیابی کی جستجو کرو اور دنیا میں جو تیرا (آخرت کے لیے) حصہ رکھا گیا ہے اسے نہ بھول، اور تو دوسروں کے ساتھ بھلائی کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے)۔

ایک مسلمان کے لیے دنیاوی زندگی کے جتنے وسائل وذرائع ہیں اور اس دنیا میں جتنی راحت رساں، لطف آفریں اور زینت افزوں اشیاء موجود ہیں، جو فی نفسہ مقصود نہیں ہیں، بلکہ صرف آخرت کی کامرانی وکامیابی کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں، اسے حکم ہے کہ وہ ان سب میں حسن آخرت کو تلاش کرے اور انہیں موجودہ زندگی کے منافع کے بجائے مرنے کے بعد آنے والی زندگی کے منافع کے لیے استعمال کرے۔

کھانے پینے کی چیزیں ہوں یا پہننے اوڑھنے کی، رہنے سہنے کے مکانات، کوٹھیاں محل سرائیں ہوں یا سیر وسفر کے وسائل، اونٹ، گھوڑا، موٹر، ریل اور ہوائی جہاز، بوریا ہو یا تخت طاؤس، دنیا کی ہر چیز میں دو پہلو نکلتے ہیں، دنیاوی پہلو اور اخروی پہلو، وہ ہماری مادی زندگی کی کوئی حاجت پوری کرتی ہے، یہ تو ہے اس کا دنیاوی پہلو، دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ آخرت میں ہی ہمارے لیے مفید یا مضر ہو سکتا ہے، یہ ہے اس کا اخروی پہلو، یہی اس کا اصل جوہر ہے، جسے آیت مذکورہ میں مومن کا نصیب اور حصہ فرمایا گیا، یہ حصہ مومن کے لیے مخصوص ہے، جو شخص عالم آخرت کا منکر اور ابتلائے کفر ہے وہ اس حصہ سے محروم ہے۔

اسی آیت کی روشنی میں وہ شاہراہ صاف نظر آتی ہے، جس پر مسلم کی زندگی کو گامزن ہونا چاہیے، دنیاوی اشیاء سے لطف اندوزی ممنوع نہیں ہے، لیکن ممنوع یہ ہے کہ آدمی اس لطف اندوزی ہی کو اعتقاد یا عملاً مقصود زندگی بنالے، حکم یہ ہے کہ دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی سی بڑی چیز تک جسے بھی کام میں لاؤ، اسے آخرت کے لیے کام میں لاؤ، رہا دنیا کا لطف تو وہ بغیر نیت بھی حاصل ہوجائیگا، اس کے لیے کسی قصد ونیت کی ضرورت نہیں ہے، اسے آخرت کی منفعت کے تابع رکھو، دنیاوی فرحت تو اخروی فائدے کی باندی ہے، خود بخود اس کے ساتھ آئے گی۔

صحابہ کرام؄ جن کی پیروی ذریعہ نجات وکامرانی ہے، دنیا کی زندگی کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ بعض اسے زندگی کے نام سے موسوم کرنا بھی نہیں پسند فرماتے تھے، حضرات انصار؄ کا یہ زریں مقولہ کتب حدیث میں بکثرت منقول ہے:

اللهم لاعيش الا عيش الاخرة

(اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی ہی زندگی ہے)۔

یہ نکتہ بھی غور سے سن لیجیے کہ آخرت کی نیت کے معنی صرف اتنے نہیں ہیں کہ آدمی محض آخرت کا خیال کرلے، بلکہ نیت وقصد کے معنی یہ ہیں کہ دنیاوی وسائل وذرائع کو منفعت آخرت کے لیے شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کام میں لایا جائے، اگر صرف عقلی طور پر قصد کرلیا گیا اور طریق استعمال میں احکام شرعیہ کی پیروی نہ کی گئی تو یہ نیت نہیں ہے، بلکہ محض تمنا یا نیت کی نیت ہے، اور صرف اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ بعض صورتوں میں آخرت کے نقصان اور معصیت میں مبتلا ہوجانے کا خدشہ ہے۔

آج دنیا والے دنیا میں منہمک ہیں، انہوں نے مادی منفعتوں اور لذتوں کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے، افسوس ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت بھی اسی خوفناک اور تباہ کن راستہ پر چل رہی ہے، اعتقاد تو ہمارا اللہ پر بھی ہے اور ان کے رسول ﷺ اور عالم آخرت پر بھی، لیکن عمل ہمارا یہ ہے کہ ہم امریکہ ویورپ یا چین وجاپان کی قوموں کے راستہ پر گامزن ہیں، وہ قومیں جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں مجرم اور مبغوض وملعون ہیں، کاش ہماری قوم کو ہوش آتا کہ وہ کہاں جارہی ہے؟ میرے بھائیو! تم حق تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، محمد رسول اللہ ﷺ کو نبی برحق سمجھتے ہو، مرنے کے بعد آنے والی دائمی زندگی کے معتقد ہو، اس کے بعد دنیا میں منہمک ہو؟!

اور واپسی کا رجحان بڑھا، اسلامی شریعت کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کیا جانے لگا، اسلامی فکر کے حاملین نے مغربی فکر پر کھل کر نقد کیا، اس کے کھوکھلے پن کو واضح کیا اور

مغرب کی نقالی کے نقصانات بیان کیے، اور قوم کے اندر یہ شعور وآگہی پیدا کردی کہ مغرب کس طرح عالم اسلام کو بیوقوف بنارہا ہے، مصائب اور خطرات میں اس کو بے یارومددگار چھوڑ دیتا ہے، عالم اسلام میں رونما ہونے والے واقعات اور حوادث پر جن کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ یورپ ابھی تک قرون وسطی کی صلیبی ذہنیت سے باہر نہیں آسکا ہے، وہ آج بھی یہودیوں کا پر زور حامی ہے، اسلامی ممالک سے تعلقات اور دوستی کے باوجود یہودیوں کے مفادات کو مسلم مفادات پر ترجیح دیتا ہے، لوگ جانتے ہیں کہ یورپ سے یہ تعلقات اور یورپی مفادات کی خدمت وحفاظت یک طرفہ ہے، حالات وواقعات سے باخبر حضرات یہ بھی جانتے کہ یورپ کو مسلمانوں کی ترقی اور ان کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ یورپ کی تو یہی کوشش رہتی ہے کہ عالم اسلام کو مسائل ومشکلات میں الجھائے رکھا جائے، اور اس کی معیشت کی کمر توڑ دی جائے، اس کے لیے عالم اسلام میں معاشی مسائل پیدا کیے جاتے ہیں، اور یورپ کی ایجنسیاں اسلامی ملکوں میں نت نئے مسائل، اقتصادی بحران، فکری ٹکراؤ اور فوجی انقلابات کراتی رہتی ہیں، تاکہ یہ ممالک ان مسائل کے حل کے لیے یورپ کی طرف ہاتھ پھیلائیں، یورپ کا یہی مشن ہے کہ عالم اسلام کو اس کے حقیقی سرچشموں اور انسانوں قیادت سے دور رکھا جائے، اس کے لیے عالم اسلام کی حکومتوں پر پر دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ اسلامی بیداری کی ہر تحریک کو کچل دیا جائے۔

اسلامی ملکوں میں مغرب نواز نظام حکومت کی ناکامی کے احساس نے تمام باشندگان وطن میں نئے متبادل کی جستجو کا جذبہ پیدا کر دیا، اور یہ احساس اتنا طاقتور تھا کہ اسے دبایا نہیں جا سکا، خود مغربی مفکرین کو یہ اندازہ ہوگیا کہ مسلمانوں میں یہ احساس بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے، اور نقصان یا ذلت وپستی کا احساس انسان کو اس کے اسباب کے ازالہ پر ابھارتا ہے، اگر مغرب کے تابع اور غلام ممالک تعلیم کے میدان میں ترقی، سیاست اور معیشت میں استحکام وقوت اور مضبوط دفاعی نظام حاصل کر لیتے اور صنعت واعلی تعلیم کے میدان میں ترقی حاصل کرکے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں آجاتے اور اپنے مسائل حل کرنے کی صلاحیت حاصل کرکے خود کفیل ہوجاتے تب تو مغرب کی اس تقلید کا جواز ہوتا، لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا، بلکہ پستی وذلت اور معاشی پسماندگی کا شکار ہوگئے، جن ملکوں نے مغربی تمدن اور مغربی نظام زندگی کو اختیار کیا آج وہی سب سے زیادہ مقروض ہیں، اور ان کی معیشت کا دارمدار غیروں پر ہے، اور تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ مغرب پر سب سے زیادہ بھروسہ کرنے والے اور اس کے اشارہ پر چلنے والے اسلامی ملکوں کے ہی مسائل سب سے زیادہ پیچیدہ ہیں، اور یہاں سیاسی استحکام کا فقدان ہے، شہری حقوق کی پامالی کی جارہی ہے اور معیشت کی عمارت گرتی جارہی ہے۔

اس تلخ حقیقت نے عالم اسلام میں نئے نظام کی تلاش وجستجو کا جذبہ اور ایک نیا رجحان پیدا کردیا، اس صورتحال میں اسلام پسندوں کی ذمہ داری تھی کہ اس احساس کو قوت بہم پہنچاتے، اس کے دائرہ کو وسیع کرتے، اور اس احساس کو عام کرنے کے لیے لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں یہ بٹھاتے کہ مغرب کی نقالی وتقلید سرار نقصان دہ اور پستی وادبار کا موجب ہے، اس میں مثقفین، معلمین، سیاسی قائدین اور قانون داں حضرات کو بھی شریک کیا جاتا، اور مغرب سے برآمد کیے گئے قوانین اور نظامہائے حکومت کی ناکامی اور کمزوری کو ظاہر کیا جاتا، اور یہ باور کرایا جاتا کہ مغربی نظام سیاست، معیشت اور تعلیم دیگر قوموں کے مسائل کو حل نہیں کرسکتا، اس لیے کہ یہ ان کے طبعی مزاج وذہن، تاریخ، ماحول اور تہذیبی روایات اور قدروں سے متصادم ہے۔

دوسری طرف اسلام پسندوں کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ تمام مسائل کا اسلامی حل اور مغربی نظام کا صحیح بدل پیش کرتے، اور یہ ثابت کردیتے کہ عالم اسلام کے بیشتر مسائل سامراج کے باقیات اور مغربی فکر کی تقلید کا نتیجہ ہیں، اور یہ عالم اسلام پر تھوپے گئے ہیں، اس لیے یہ یورپی تجربات کی روشنی میں حل نہیں کیے جاسکتے۔

اس شعوری بیداری کی ترجیحات میں یہ تھا کہ اسلامی معاشرہ کی اصلاح وتعمیر کے راستہ سے لوگوں کو فکری اور تہذیبی طور پر بیدار کیا جاتا، اسلامی تعلیم وتربیت کے ادارے اور اسکول قائم کرکے ملت اسلامیہ کی صفوں میں ملی، فکری اور تہذیبی وحدت پیدا کی جاتی، اسلامی نظام حیات کی روشنی میں عام زندگی کے مسائل حل کیے جاتے اور ان مغربی مراکز اور اداروں کے خلاف رائے عامہ تیار کی جاتی جو اسلامی ملکوں کے ذخائر اور وسائل کا استحصال کررہے تھے۔

اس اسلامی بیداری کے نتیجہ میں موجودہ نظام حکومت کو بدلنے کے لیے ان ملکوں میں عوامی انقلابات ہوئے جہاں مدت دراز سے مطلق العنان اشتراکی نظام حکومت قائم تھا، اور ظالم ڈکٹیٹروں نے اسلامی بیداری کو کچلنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، اور سول آزادیاں سلب کرلیں، ان ملکوں میں عوامی انقلابات کے نتیجہ میں آمرانہ نظام کے سقوط

کے بعد جب آزادانہ الیکشن ہوا تو الیکشن نے ثابت کردیا کہ یہاں کی اکثریت اسلامی شریعت ہی کو پسند کرتی ہے اور اسی کی روشنی میں اپنے تمام مسائل حل کرنا چاہتی ہے، اس اکثریت کا جمہوری حق تو یہ تھا کہ الیکشن میں بھاری اکثریت سے کامیابی کے بعد اس کو حکومت کا موقع دیا جاتا، لیکن دشمنان اسلام اس کامیابی سے خوف زدہ ہوگئے اور مغربی طاقتوں اور مذہب بیزار عناصر کی مدد سے منتخب سول حکومت کا تختہ پلٹ دیا گیا جیسا کہ جزائر اور ترکی میں کیا گیا، اور ان ملکوں میں فوجی حکمراں پھر واپس آگئے، یہی منصوبہ آج مصر میں دوہرایا گیا ہے، جہاں منتخب جمہوری حکومت کو ختم کر دیا گیا، اور فوج کی نگرانی میں عبوری حکومت قائم کردی گئی ہے، اسلام پسندوں کی اندھا دھند گرفتاریاں جاری ہیں، ان کو جیلوں میں بھرا جارہا ہے، ان کی تنظیم اور پارٹی پر پابندی لگادی گئی ہے اور اثاثے منجمد کردیے گئے ہیں، اور یہ سب عالمی سامراجی طاقتوں کی نگرانی میں ہورہا ہے، الجزیرہ ویب سائٹ کے انگریزی ایڈیشن نے انکشاف کیا ہے کہ اس بات کے واضح اور صاف دلائل موجود ہیں کہ مصر میں ڈاکٹر مرسی کو اقتدار سے بے دخل کرنے اور فوجی انقلاب کرانے کے لیے امریکہ نے مخالفین کو زبردست فنڈ فراہم کیا ہے، دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ نے مصر میں قائم اپنے مختلف اداروں کے توسط سے فوجی انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لئے تقریبا نوسوملین ڈالرخرچ کیے ہیں، اور مرسی مخالفین کو بڑی رقمیں دی ہیں۔ (عربی مجلّہ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر۲۰۶۲، ۲۰۔۲۶/ جولائی، سنہ۲۰۱۳ء)۔

سامراجی منصوبہ کے تحت مصر میں ایک بار پھر سابق نظام سے سخت آمرانہ فوجی نظام حکومت نافذ کردیا گیا ہے، اور عبوری فوجی حکومت نے مرسی کی مویدین کی خلاف ظالمانہ کریک ڈاؤن کیا، جس میں ہزاروں مظاہرین مارے گئے، اس وحشیانہ سلوک اور بربریت پر پورا یورپ اور جمہوریت کے دعویدار ملکوں کے قائدین خاموش رہے، انسانی حقوق کی تنظیمیں بھی متحرک نہیں ہوئیں، اس لیے کہ یہ لوگ اسلام پسند کہلاتے ہیں اور اسلام کو دہشت گردی سے جوڑ دیا گیا ہے، بعض سیاسی قائدین نے انکو دہشت گرد قرار دیا، اور ان کے عمل کو غیرجمہوری اور دہشت گردی قرادیا ہے، دوسری عبوری فوجی حکومت ان کے ساتھ بہیمانہ اور وحشیانہ معاملہ کررہی ہے، اور جیلوں میں بند اخوان حامیوں کو سخت ٹارچر کیا جارہا ہے، مظاہرین اور فوج کے درمیان خونی ٹکراؤ جارہی ہے جس میں سیکڑوں مظاہرین جاں بحق ہورہے ہیں۔

مغربی ممالک کے متضاد موقف کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ ایشیا اور یورپ کے متعدد ملکوں مثلا ایران، فرانس اور پاکستان میں الیکشن ہوا، اور جن پارٹیوں کو اکثریت حاصل ہوئی ان کو اقتدار منتقل کردیا گیا اور ان کی حکومت قائم ہوگئی، اور پارٹیوں نے اپنی پالیسی نافذ کردی، اس پر کسی کو کوئی اعتراض ہوا اور نہ کوئی ردعمل سامنے آیا، یہ موجودہ مغربی تہذیب کے اصول کے مطابق بھی ہے، اور کامیاب پارٹی کو اقتدار منتقل کردینا ایک طبعی امر ہے، مصر کے تعلق سے بھی اس بات کا تقاضہ تھا کہ مغرب جمہوریت مخالف موقف کی سخت تنقید کرتا اور کامیاب پارٹی کو اقتدار میں رہنے کا موقع فراہم کراتا، لیکن اسلام پسندوں کے ہاتھوں میں اقتدار چلے جانے کے خوف نے ان کو بے چین کر دیا اور سب نے مل کر مصر منتخب حکومت کو اقتدار سے بے دخل کراکر فوجی حکومت قائم کرادی، بلکہ ہر طرح کی امداد کا اعلان کیا۔ روسی صدر پوٹن نے ۱۷/اگست ۲۰۱۳ء کو دئے گئے اپنے ایک بیان میں زور دے کر کہا کہ ہم مصر میں فوجی حکومت کو ہر طرح کا تعاون دینے کے لیے تیار ہیں، اور اسلام پسندوں سے نفرت اور عداوت کا کھل کر اظہار کیا، ذرائع کے مطابق روسی صدر پوٹن خطہ میں اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتے ہیں، اور اس کے لئے مشرق وسطی کے ممالک سے تعلقات مستحکم کرنے کی کوشش کررہے ہیں، دوسری طرف خطہ میں دہشت گردی مخالف جنگ میں طاقتور لیڈر کی حیثیت سے سامنے آنا چاہتے ہیں، اسی لئے پوٹن مصر اور شام میں اسلام پسندوں کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں اور شام میں بشار الاسد کی کھل کر حمایت کررہے ہیں۔

غیرجمہوری اور مطلق العنان حکومت کی تائید کرنا غیر جمہوری عمل ہے، لیکن جو لوگ جمہوریت، سول آزادی، فرد کی آزادی، اکثریت کے اقتدار کی تائید اور انتخابی نظام کی وکالت کرتے ہیں ان کا رویہ انتہائی افسوسناک ہے، اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا میں رونما ہونے والے واقعات اور تبدیلیوں کے تعلق سے مغرب دوہری پالیسی اختیار کرتا ہے۔